اقبال اور تجدیدِ فکرِ اسلامی
IQBAL AND REVIVAL OF ISLAMIC THOUGHT

ڈاکٹر صائمہ صادق* / ڈاکٹر محمد یاسین آفاقی**

Abstract:

Islam is a comprehensive religion and an authentic course of action, therefore struggling for revival of Islamic thought should be the first priority in every Muslim's life. The history bears witness that only a few Muslims stepped forward to purge unislamic elements from Islam and presented it in its true form. Therefore, those who toiled for the revival of religion, their names have been inscribed in golden words.

Simultaneously, there had been a Muslim element who invisibly, pushed the Muslims to demolition. A keen study of the last century shows that the Muslims had been digging their grave with their own hands. When enlightenment had been blocked, thinkers and reformers began their arduous task which awoke the nation from deep slumber of ignorance. Among those thinkers, the name of Dr. Muhammad Iqbal shines atop. His efforts spread the message of hope, made the nation realize their true place and led them to progress. He had holistic liberal vision of the world but his vision was based on Islamic principles.

He gave the Muslim nation a vision along with realization of their due space and place in the society. He served the Muslims and Islam

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، ایف.جی لیاقت علی ڈگری کالج، راولپنڈی

** شعبۂ اُردو، الحمد اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

side by side. This shows that motive of his life was to serve Islam. Being a poet, he also employed his poetry for this purpose too.

He endeavored to purge unislamic element from the lives of the Muslims and presented true and authentic aspects of Islam which were hidden or obscure from the eyes of the Muslims.

The state of Muslim world was abysmal when a reformer like Iqbal appeared on the horizon. He wanted to promote broadmindedness in Islam. He intended to liberate the nation from conventionalized belief that hinder true spirit of Allah's worship and deviate people from self-control and reliance.

Iqbal hates slavery, be it bowing down to the might of Czar and Cyrus, or kneeling down to the monk and priest. He is the advocate of equality and brotherhood. Stating the condition of earlier generations, he says that before the prophethood of the Holy Prophet (PBUH) man did not have freedom and esteem and was utterly enslaved. It was Islam that gave the concept of freedom, equality, esteem and brotherhood. It is Islam, says Iqbal, that gave the concept of bowing down to one Allah that sets humans free from every sort of slavery.

This article is an effort to bring the thought of Iqbal to light and look at Islam from Iqbal's perspective that talks about equality, brotherhood and freedom, and disentangles man from the shekels of slavery.

Key words: Iqbal, freedom, brotherhood, equality, slavery, Islamic thought, Allah, reformer, thinker.

• اسلام ایک مکمل دین ہے، اور مسلمانوں کی زندگی کے لیے ایک لائحہ عمل۔ لٰہذا اسلام کے احیاء کی کوششیں مسلمانوں کی زندگیوں کا اولین مقصد ہونا چاہیے۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اس سلسلے میں بہت کم مسلمان ایسے ہیں جو آگے آئے اور جنھوں نے اسلام میں شامل ہونے والے غیر اسلامی رویوں کو اسلام سے الگ کیا، اور

اسلام کو خالص طور پر پیش کیا۔ تجدید احیائے دین کا کام کرنے والے مسلمانوں کا نام تاریخ میں ہمیشہ سنہری حروف سے لکھا جاتا ہے۔ سید اسعد گیلانی لکھتے ہیں:

> "۔۔۔ مسلمانوں نے مال جمع کرنے، ممالک فتح کرنے اور قوموں کو غلام بنانے کے کارناموں کو کبھی اپنی تاریخ کا سرمایہ قرار نہیں دیا۔ اور نہ ان کاموں کو مقامِ فخر و اعزاز پر رکھا ہے۔ لیکن اقامتِ دین اور احیائے دین کی کوششوں کو اپنی ملت کا اجتماعی قیمتی سرمایہ اور اپنے وجود کا واحد مقصود و مطلوب قرار دے کر ہمیشہ اسے اپنی تاریخ کا زیور قرار دیا ہے۔"(۱)

- لیکن اس کے ساتھ ہی کچھ ایسے مسلمان بھی تھے جو غیر محسوس طریقے سے مسلمانوں کو تباہی کی جانب دھکیل رہے تھے۔ لہٰذا گزشتہ سو سالہ تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان اپنے ہی ہاتھوں اپنی تباہی کو آواز دے رہے تھے۔ روشنی کی تمام راہیں مسدود ہو چکی تھیں۔ لہٰذا قوم میں مصلح اور مفکروں نے اپنا کام شروع کیا۔ جن کی بدولت قوم خوابِ غفلت سے بیدار ہوئی۔ ان چند مفکرین میں سرِ فہرست نام ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کا ہے۔ جن کی کاوشوں سے مسلمانوں کو ایک نیا حیات بخش پیغام ملا۔ جن کے افکار نے سوئی ہوئی قوم کو اس کا اصل مقام یاد دلایا اور انہیں ایک بار پھر ترقی کی راہ پر گامزن کرنا شروع کیا۔ اقبال کی نظر زندگی کے اکثر شعبوں پر تھی۔ لیکن آپ کا نقطہ نگاہ اسلامی تھا۔ آپ نے مسلمانوں کو اسلام کی صحیح اور مثبت راہ دکھانے کے ساتھ ساتھ ان کو ان کا اصل مقام و مرتبہ بھی یاد دلایا۔ اس طرح مسلمانوں کی خدمت کے ساتھ ساتھ اسلام کی خدمت بھی ہوتی چلی گئی۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اقبال کی زندگی کا اولین مقصد ہی دین کی خدمت تھا۔ جس کی جدوجہد کے لیے انہوں نے شاعری کا سہارا بھی لیا۔

- آپ نے مسلمانوں کی زندگیوں میں سے جھوٹ اور غیر اسلامی ملاوٹ و آمیزش کو ختم کرنے کی کوشش کی اور اس طرح اسلام کا سچا اور کھرا رخ پیش کیا، جو اس سے پہلے مسلمانوں کے سامنے نہ تھا یا اگر تھا بھی تو وقتی طور پر نظروں سے اوجھل تھا۔ اقبال قسطنطنیہ یونیورسٹی کے پروفیسر خلیل خادد کو ادارہ دینیات کے متعلق مشورہ دیتے ہوئے کہتے ہیں:

> "ادارہ دینیات کو چاہیے کہ دینیات کی ایک پروفیسر شپ قائم کرے جس پر کسی ایسے شخص کو متعین کیا جائے جس نے اسلامی دینیات اور جدید یورپین فکر و تصور کا مطالعہ کیا ہو تاکہ وہ مسلم دینیات کو افکار جدیدہ کا ہم دوش بنا سکے۔ قدیم اسلامی دینیات کے (جس کا ماخذ زیادہ تر یونانی حکمت و فکر تھا) تار و پود بکھر چکے ہیں۔ اب وقت آچکا ہے کہ اس کی شیرازہ بندی کی

جائے۔"(۲)

- اس وقت اسلامی دنیا کو جس عظیم مصلح کی ضرورت تھی، وہ بلاشبہ اقبال ہی تھے۔ اقبال اسلام میں وسیع النظری کے تصور کو فروغ دینا چاہتے تھے۔ اقبال ہر اس غلامی سے آزادی کے خواہاں تھے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے فرائض کی بجا آوری اور ضبط نفس کے راستے میں حائل ہو۔
- اقبال کسی بھی غلامی چاہے وہ قیصر و کسریٰ کی غلامی ہو یا برہمن و پادری کی غلامی، کو رد کرتے ہیں۔ اور حریت، مساوات اور اخوت کا درس دیتے ہیں۔ اسلام سے پہلے کے آدمی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسالت سے پہلے انسان آزادی و حریت سے محروم اور ہر قسم کی غلامی میں جکڑا ہوا تھا۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے انسان کو حریت، مساوات اور اخوت کا سبق سکھایا اور ایک ایسے سجدے کی تعلیم دی جو انسان کو ہزار سجدوں سے نجات دلاتا ہے۔

بود انسان در جہان انسان پرست
ناکس و نابود مند و زیر دست
سطوت کسری و قیصر رہزنش
بند ہا در دست و پا و گردنش
از غلامی فطرت او دون شدہ
نغمہ ہا اندر نی او خون شدہ
تا امینی حق بحقداران سپرد
بندگان را مسند خاقان سپرد(۳)

اقبال کہتے ہیں حریت میں کئی منفی پہلو ہیں۔ جس میں اثباتی پہلو پیدا کرنے کے لیے صرف مساوات ہی سے کام لیا جاسکتا ہے۔ اسی لیے کسی فرد کی ذات مساوات کے بغیر نامکمل ہے۔ اور اسی طرح ایک ملت کا وجود میں آنا بھی ناممکن ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اسلام کا مقصد ہی تمیز خاص و عام کو ختم کرنا ہے۔(۴)

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے(۵)

اقبال نے ایک حساس اور فکر مند انسان کی طرح اسلام کی تجدید اور احیائے دین کے لیے کوششیں کیں۔ اپنی کتاب Reconstruction of Religious Thoughts in Islam میں اپنے لیکچرز میں اقبال

نے اسلام کا صحیح اور حقیقی رخ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اقبال قومی ریاست کو ایک اسلامی ریاست کے روپ میں دیکھنے کے خواہش مند ہیں کیونکہ ایک اسلامی ریاست اسلام کے لیے جو خدمات سرانجام دے سکتی ہے وہ محض قومی ریاست نہیں کر سکتی۔ چنانچہ مولانا حسین احمد مدنی کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

”قدیم زمانے میں دین قومی تھا۔ جیسے مصریوں، یونانیوں اور ہندوؤں کا، بعد میں نسلی قرار پایا۔ جیسے یہودیوں کا۔ مسیحیت نے یہ تعلیم دی کہ دین انفرادی اور پرائیویٹ ہے۔ جس سے بدبخت یورپ میں یہ بحث پیدا ہوگئی کہ چونکہ دین پرائیویٹ عقائد کا نام ہے لہٰذا انسانوں کی اجتماعی زندگی کی ضامن صرف ریاست ہے۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے بنی نوع انسان کو سب سے پہلے یہ پیغام دیا کہ دین نہ قومی ہے نہ نسلی، نہ انفرادی نہ پرائیویٹ بلکہ خالص انسانی ہے۔ اور اس کا مقصد تمام فطری امتیازات کے باوجود عالم شہریت کو متحد و منظم کرنا ہے۔۔۔۔۔ اس سے ہٹ کر جو راہ اختیار کی جائے گی دینی کی راہ ہو گی اور شرف انسانی کے خلاف۔“(۶)

پنڈت نہرو کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

”جس قوت میں مسلمانوں کو تاراج کر دیا ہے، وہ مسلمان بادشاہوں کی ملوکیت ہے۔“(۷)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال ہر اس ادارے کے خلاف ہیں جو احیائے اسلام کے لیے مشکلیں پیدا کر سکتا ہے۔ اپنے ایک مضمون مسلم تہذیب ۱۹۱۱ میں لکھتے ہیں:

”اسلام محض ایک نظریے کا نام نہیں۔ اسلام ہمارے لیے ایک وسیع مطلب کا حامل ہے۔ ہماری نظر میں اسلام کا حتمی مقصد ایک ملک ہے۔ جس میں قائم اسلامی شعار کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔“(۸)

اقبال کی کتاب "فکر اسلامی کی تشکیل جدید" کو جس قدر اہمیت ملنی چاہیے تھی وہ نہ مل سکی۔ کیونکہ یہ خطبات آئندہ نسل کے لیے تحریر کیے گئے تھے۔ اور اقبال یہ بھی جانتے تھے کہ نئی نسل تہذیب سے الگ نہیں رہ سکے گی۔ لہٰذا یہ ضروری تھا کہ مسلمان نہیں تہذیب کو بھی اپنائیں اور اپنا مذہب بھی قائم رکھ سکیں۔ اقبال کی اس کتاب پر علماء کی طرف سے بہت اعتراضات بھی ہوئے۔ جسٹس جاوید اقبال اس ضمن میں لکھتے ہیں:

”اس کے کتاب سے علماء بہت ناراض تھے۔ بلکہ اس کا اردو ترجمہ کرنے میں بھی اگر تساہل ہوا ہے تو اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ اگر اس کا اردو ترجمہ ہوا تو ممکن ہے علامہ اقبال پر علماء اعتراض کریں، جیسا کہ یہ اکبر کی طرح کوئی دین ہو یا کوئی نیا مذہب یا مذہب کی کوئی نئی تاویل

پیش کرنے کی کوشش ہو۔"(۹)

حقیقت تو یہ تھی کہ برصغیر کے علماء اس قدر قدامت پرست ہو چکے تھے کہ کسی بھی تبدیلی کو قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔اسی لیے برصغیر کا اسلامی معاشرہ دن بدن پستی کی جانب گامزن تھا۔بقول جسٹس جاوید اقبال:

"۔۔۔انحطاط کا دور ہو تو احیاء کو وجود میں لانا ضروری ہو جاتا ہے۔کیونکہ اگر انحطاط و تنزل کا دور قائم رہے تو قومیں اور ملتیں صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہیں۔"(۱۰)

اقبال اپنے دور کے مسلمانوں کے تنزل اور اخلاقی انحطاط کا سبب جاننے کی کوشش کرتے ہیں، جو نہایت جرات مندانہ کوشش ہے اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ تین منفی طاقتیں ایسی ہیں جنھوں نے مسلمان معاشرے کو ترقی کی راہ سے الگ کیا ہے اور وہ طاقتیں بقول ڈاکٹر جاوید اقبال، "مطلق العنان ملوکیت"، "ملائیت" اور "تصوف"ہیں۔(۱۱)

اقبال اپنے ایک مضمون Islam and Ahmadism میں لکھتے ہیں:

"It ma,however, be asked........exactly wasthe objective of these great Muslims. Answeris that they found the world of Islam ruled by three main forces and they concentrated their whole energy on creating a Revolt against these forces: Mullaism:.... During the course of centuries... They become extremely conservative and would not allow my The 19th Century reformers rose in Revolt against this Mysticism and called Muslims to the broad daylight in the modern world.... The mission was to open the eye of the Muslim to the spirit of Islam which end the conquest of matter and not flight from it.freedom of Ijtehad... thus the first object of the 19th Century Muslim reformers was a fresh orientation of the faith and freedom to re interpret the law in the light advanceing experience.

Mysticism: Mysticism had fallen down to a mere means of exploiting the ignorance and creduality of the people....

3. Muslim Kings: the case of Muslim king was solely fixed on their own dynastic interests and as long as these were protected, they did not as it it to sell their country to the highest bidders. To prepare the message of Muslims for a Revolt against such a state of things in the world of Islam was the special mission of Syed Jamaluddin Afghani."(12)

ان اقتباسات کو تفصیل سے درج کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اقبال کی فکر واضح ہو جائے۔ جس سے ظاہر ہو جائے کہ اقبال کے پیشِ نظر کیا مسائل تھے جن کو وہ ہدف تنقید بناتے ہیں۔ ظاہر ہے سلطانی، ملائی اور پیری۔ اقبال معاشرے کی اصلاح کے لیے ان تینوں کی اصلاح کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں اقبال کا موقف یہ تھا کہ نئی نسل کا ایمان نئے علم الکلام کے بغیر مستحکم نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اسلامیات کے علوم میں اصلاح کی جائے۔ کیونکہ موجودہ دور میں انسان تجربات میں بہت آگے نکل چکا ہے۔ اور جس قدر سائنس کی ترقی ہوتی جاتی ہے اس کے لیے نیا علم الکلام وقت کی اہم ترین ضرورت بن چکا ہوتا ہے۔ پھر اقبال تصوف میں بھی اصلاح کے خواہشمند ہیں۔ کیونکہ اقبال کے نزدیک اعلیٰ تصوف ہی انسانوں کی صحیح رہنمائی کر سکتا ہے۔ تیسری بات جو اقبال کرتے ہیں وہ "سلطانیت" یا بادشاہی نظام کے خلاف ہے۔ اقبال کے نزدیک مطلق العنان حکمرانی کا طریقہ کار ختم ہونا چاہیے۔ اور اس کی جگہ عوامی حکومت یا جمہوریت کو فروغ ملنا چاہیے۔ تاکہ اسلام کی اصل اور حقیقی تعلیمات پر عمل درآمد ممکن ہو سکے۔

اقبال کی فکر جب اس سے آگے بڑھتی ہے تو ایک نیا رخ اختیار کر لیتی ہے۔ یہ نیا رخ "خودی" کی منزل ہے۔ یہ خودی انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی۔ خودی کا سہارا لے کر اقبال ایک نئے معاشرے کو قائم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ نیا مسلم معاشرہ ہر قسم کے رنگ و نسل کے امتیازات سے بالاتر ہو اور ایمان کی بنیادی شرط پر قائم ہو۔ جس میں وطنیت کی بجائے اسلامیت کو ترجیح دی جائے۔ وہ مسلمانوں میں ایسی طاقت دیکھنا چاہتے ہیں جس پر کوئی غالب نہ آسکے۔ لیکن اقبال کا یہ خواب محض خواب ہی رہا۔ اور مذہب اسلام میں شامل امیزشوں کو جلا بخشنے میں خود مذہب کے بانی ہوں یعنی مولویوں نے بھی اس سلسلے کو آگے بڑھایا ہے۔ اور برصغیر میں دین اسلام کے سینے میں پے در پے

کانٹے چبھونے کا کام نہایت خوش اسلوبی سے سر انجام دیا ہے۔ جس کی وجہ سے برصغیر کے مسلمان حقیقی اسلام سے کوسوں دور ہوتے چلے گئے۔ ان رجحانات کے زیر اثر پروان چڑھنے والے مسلمانوں کی عکاسی اقبال ان الفاظ میں کرتے ہیں:

باقی رہی نہ تیری وہ آئینہ ضمیری
اے کشتۂ سلطانی و ملائی و پیری(۱۳)

اقبال چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکم دے۔ یہ ایک انتہائی اہم فریضہ ہے۔ جس کے لیے اہل اور اہل علم ہونا بنیادی شرط ہے۔ لیکن اقبال جب دیکھتے ہیں کہ عوام کو مذہب کی کچھ خبر نہیں، تو وہ پکار اٹھتے ہیں کہ خدا اس ملت کو دنیا سے اٹھالے اور حسب وعدہ کوئی اور ملت اسلام کی خدمت کے لیے پیدا کر:

کہ ایں ملت جہاں را بار دوش است(۱۴)

اقبال نہ صرف اسلام کی حفاظت کے لیے خود بے چین و بے قرار تھے بلکہ انہوں نے اور بھی ہم خیال لوگوں کی توجہ اس جانب مبذول کرائی۔ چنانچہ ۲۰ جولائی ۱۹۳۷ کو چوہدری نیاز علی خان کو اپنے خط میں لکھتے ہیں:

"۔۔۔۔۔ اسلام کے لیے اس ملک میں نازک زمانہ آرہا ہے۔ جن لوگوں کو کچھ احساس ہے، ان کا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کے لیے ہر ممکن کوشش اس ملک میں کریں۔۔۔ علماء میں مداہنت آگئی ہے۔ یہ گروہ حق کہنے سے ڈرتا ہے۔ صوفیا اسلام سے بے پرواہ اور حکام کے تصرف میں ہیں۔ اخبار نویس اور آج کل کے تعلیم یافتہ لیڈر خود غرض ہیں۔ اور ذاتی منفعت اور عزت کے سوا کوئی مقصد ان کی زندگی کا نہیں۔ عوام میں جذبہ موجود ہے مگر ان کا کوئی بے غرض رہنما نہیں ہے۔"(۱۵)

اقبال مسلمانوں کے لیے مذہب اسلام سے روگردانی کر کے زندگی کا کوئی تصور نہ رکھتے تھے۔ غلام بھیک نیرنگ کو لکھتے ہیں:

"میرے نزدیک تبلیغ اسلام کا کام اس وقت تمام کاموں پر مقدم ہے۔ اگر ہندوستان میں مسلمانوں کا مقصد سیاسیات سے محض ذاتی اور اقتصادی بہبودی ہے اور حفاظت اسلام اس مقصد کا عنصر نہیں ہے۔ جیسا کہ آج کل کے "قوم پرستوں" کے رویے سے معلوم ہوتا ہے، تو مسلمان اپنے مقاصد میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔"(۱۶)

اقبال اپنے خیالات کو شاعری میں بھی پیش کرتے ہیں:

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلمان کا خسارہ (۱۷)

اقبال حقیقی اسلام کو عوام تک نہ پہنچانے کا ذمہ دار اسلام کے نام نہاد "ملاؤں" کو ٹھہراتے ہیں۔ جن کی شکنجے میں عوام بری طرح پھنس چکے ہیں۔

وہ صوفی اور ملا جو عوام کو تو "ترک" کی تعلیم دیتے ہیں، چاہے خود انہوں نے اپنے لیے کتنی ہی اسائشیں مہیا کر رکھی ہوں۔ ایسے کج فہم اور تنگ نظر ملا جن کا کام صرف فرقہ بندی کرنا ہے اور عوام کو بے وقوف بنا کر اپس میں الجھانا ہے، اقبال ان کو اسلام کا اصل خطرہ سمجھتے ہیں۔ اقبال ان دونوں گروہوں (صوفی اور ملا) دونوں ہی سے بیزار نظر آتے ہیں۔ آپ نے " سر سید کی لوح تربت" سے جو پیغام روح سید سے حاصل کیا اس میں ان دونوں گروہوں سے خبر دار رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ لکھتے ہیں:

مدّعا تیرا اگر دنیا میں ہے تعلیمِ دیں
ترکِ دنیا قوم کو اپنی نہ سِکھلانا کہیں
وا نہ کرنا فرقہ بندی کے لیے اپنی زباں
چھُپ کے ہے بیٹھا ہوا ہنگامۂ محشر یہاں
وصل کے اسباب پیدا ہوں تری تحریر سے
دیکھ! کوئی دل نہ دُکھ جائے تری تقریر سے
محفلِ نَو میں پرانی داستانوں کو نہ چھیڑ
رنگ پر جو اَب نہ آئیں اُن فسانوں کو نہ چھیڑ (۱۸)

مولوی تو صرف کلمہ پڑھنے والے کو مسلمان کہتا ہے حالانکہ دین میں کوئی جبر نہیں۔ اسلام (لا اکراہ فی الدین) کا درس دے کر عالمگیر اخوت اور رواداری کی بنا ڈالتا ہے۔ اس کے اندر اختلافات اور فرقہ پرستی پیدا کرنا ایک بہت بڑا المیہ ہے۔

اقبال اسلام کی پستی کا الزام واضح طور پر ملا کو قرار دیتے ہیں کیونکہ ملا کافر گر مومن ہے۔ "سعید حلیم پاشا" کے عنوان سے اقبال لکھتے ہیں :

دین حق از کافری رسواتر است
زانکہ ملا مؤمن کافرگر است
بي نصیب از حکمت دین نبي
آسمانش تیره از بي کوکبي(۱۹)

اقبال کی اس تلخ نوائی سے مولوی کو اپنی توہین محسوس ہوتی ہے لیکن اقبال کو مولوی سے کوئی غرض نہیں بلکہ ان کی تعلیمات جو وہ سادہ عوام میں پھیلا رہے ہیں اس کی اقبال مذمت کرتے ہیں۔

اقبال اس حقیقت کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ دوسرے لوگ علم تقسیم کرنے میں اتنی محنت نہیں کرتے جو مولوی کرتے ہیں۔ اس لیے ان کی محنت پر کوئی شک نہیں۔ لیکن اعتراض ہے تو صرف اس بات پر کہ مولوی اپنی ذمہ داری کو محسوس نہیں کرتے اور اسلام کا وہ رخ پیش نہیں کرتے جس سے فکر کو جلا ملے۔ اب جمود اور تقلید کا دور گزر چکا ہے۔ اب حقیقی معنوں میں عمل اور حرکت کا وقت آ چکا ہے۔ اور صحیح علم پھیلانے کا وقت ہے۔ صحیح علم کے لیے قرآن مجید کی موجودہ حالات کے مطابق تفسیر پیش کرنا ہی مولوی کی اصل ذمہ داری ہے۔

- اب قرآن مجید کس طرح سمجھا اور سمجھایا جائے اس کے لیے مولوی کو محنت کرنا پڑے گی۔ کیونکہ وہ سلاست کے ذریعے لوگوں کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔ ان کے لیے رشد و ہدایت کا سرچشمہ ثابت ہو سکتے ہیں لیکن اگر وہ اپنے علم کو ہی محدود رکھیں اور لوگوں کی صحیح رہنمائی نہ کر سکیں تو پھر ملا کسی عزت و احترام کا مستحق نہیں رہتا۔ اسی لیے مولوی کا نام بدنام ہو چکا ہے۔ اسی کی وجہ سے ملت ٹکڑوں میں بٹ گئی ہے۔ اس کی نگاہ دور رس نہیں ہے بلکہ وہ کم نگاہ ہے، کور ذوق اور فضول گر ہے۔ قرآن پاک کے اثرات تو سورج کی روشنی کی مانند ہیں۔ جو نہایت صاف اور شفاف ہوتی ہے۔ جس میں ہر چیز واضح نظر آتی ہے۔ مولوی اسی خوبصورت روشنی کے نیچے بیٹھے ہوئے ہیں مگر کچھ بھی واضح طور پر دیکھنے سے انکاری ہیں۔ تو ان کی مثال "مادرزاد اندھے" کی مانند ہے۔

حالانکہ اس کے برعکس کافر کا مذہب اسے اس بات کا پابند بناتا ہے کہ وہ جہاد کی فکر و تدبیر کرے۔ جبکہ مولوی اپنے اصل دین سے پھرتے ہوئے محض فساد پھیلانے کا باعث بن رہے ہیں۔ اقبال اپنی طرف سے مولوی کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ تمہارے افکار سے تو مسلمان کی زندگی وابستہ ہے اور تیری گفتگو سے ملت ثبات پاتی ہے۔ تمہارا ائین صرف قران مجید کی حفاظت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو واضح اور نمایاں طور پر پیش کرنا تیرا دین ہے۔ لکھتے ہیں"

کم نگاہ و کور ذوق و ہرزہ گرد
ملت از قال و اقولش فرد فرد
دین کافر فکر و تدبیر و جہاد
دین ملا فی سبیل اللہ فساد
مرد حق جان جھان چار سوی
از نفسھای تو ملت را ثبات(۲۰)

لیکن دین کی اصل خدمت کرنے والے اور اسلام کو زندہ رکھنے والے بزرگان دین اور مولوی حضرات جن کی وجہ سے اسلام کی صحیح روشنی پھیل رہی ہے ان کا نام ہمیشہ زندہ جاوید رہے گا۔

آج کل اسلامی معاشرے کی جو روش ہے اور لوگ جس طرح اندھا دھند مغرب کی تقلید کرتے چلے جاتے ہیں اور مغرب زدہ ہونے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ اس رویے کو پھیلانے میں میڈیا نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان حالات کے پیش نظر اصل اسلام کو جاننے والا ملا یا مولوی ہی حالات کے اگے بند باندھ سکتا ہے۔ اور وہی سچ اور حق کا امتیاز قائم کر سکتا ہے، لیکن اس کے لیے شرط وہی ہے جو اقبال کہتے ہیں کہ بندہ حرص وہوس کا شکار نہ ہو اور اپنے فرائض منصبی سے غفلت نہ بڑھتے اور خود نمائی نہ کرے۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ محراب وممبر جہاں سے اسلام کی سربلندی کی صدائیں بلند ہونی چاہیے وہاں سے ایسی صدائیں بلند ہوتی ہیں جو اسلام کے تقدس کو پامال کرتی ہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ اسلام کے نام پر کتنے فرقے وجود میں آچکے ہیں۔ اور ان فرقوں کی وجہ سے مسلمان آپس میں دست وگریباں ہیں۔ اور ہر فرقہ دوسرے فرقے کو غیر حقیقی حتیٰ کہ غیر مسلم تصور کرتا ہے۔ جبکہ تمام فرقوں کے ماننے والوں کا اتفاق اس بات پر ہے کہ خدا ایک ہے۔ قران ایک ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم ایک ہیں۔ ان بنیادی باتوں پر اتفاق کے باوجود اج ہر ایک کا اپنا اپنا فرقہ ہے۔ اور ہر فرقے کے ماننے والے دوسرے فرقے کے ماننے والے مسلمانوں کو گلا کاٹنے میں مصروف ہے۔ کوئی ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کو جائز قرار دے رہا ہے تو کوئی ہاتھ باندھ کر۔ دکھ تو اس بات کا ہے کہ یہاں وہ کچھ ہو رہا ہے جو زمانہ جاہلیت کا دستور رہا ہے۔ اگر کوئی نیا چہرہ مسجد میں داخل ہوتا ہے تو مولوی حضرات سب سے پہلے اس کا فرقہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اگر بدقسمتی سے وہ شخص اس فرقے سے تعلق نہ رکھتا ہو جس فرقے کی وہ مسجد ہے تو اسے مسجد سے نکال باہر کیا جاتا ہے۔ یعنی ایک انسان مخل ہو رہا ہے ایک دوسرے انسان اور اس کے رب کے درمیان قائم ہونے والے رشتے میں۔ تعلق میں۔؟ تو کیا مولوی کا یہی فرض ہے؟ کیا یہی اسلام کی اصل تعلیمات ہیں؟ کیا اسلام ہمیں یہی سکھاتا ہے کہ ہم اللہ

کے بندوں کو اللہ سے تعلق جوڑنے سے منع کریں؟لیکن افسوس تو یہ ہے کہ یہ تمام مسائل اتنے چھوٹے اور سطحی ہیں کہ ان میں طاقت کا زیاں ہو رہا ہے وہی اگر مثبت اور تعمیری پہلو پر صرف کیا جائے تو اج مسلمانوں کا سر نیچا نہیں کر سکتی۔ لیکن ان فرقہ بندیوں سے نجات دلانا صرف اور صرف ملاہی کی ذمہ داری ہے۔ اب عوام میں وہ شعور پیدا ہو رہا ہے جس کی بدولت مسلمان صرف مسلمان رہ سکتے ہیں۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ملا اگے بڑھیں اور اپنے ہی ہاتھوں پاش پاش ہونے والے اسلام کے بت کو تھام لیں۔ اقبال ایسے ہی علماء کی مذمت کرتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

احکام تیرے حق ہیں مگر تیرے مفسر
تاویل سے قرآن کو بنا دیتے ہیں پاژند[۲۱]

اے مسلماں اپنے دل سے پوچھ ملا سے نہ پوچھ
ہو گیا اللہ کے بندوں سے کیوں خالی حرم[۲۲]

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور[۲۳]

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق[۲۴]

علامہ اقبال مسلمانوں کے اسلام سے دور رہنے کی وجوہات بیان کرتے ہیں۔ اور اس عزم کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ وہ حقیقی اسلام کو منظر عام پر لا کر ہی چھوڑیں گے۔ منشی سراج الدین کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

”ہندوستان کے مسلمان کئی صدیوں سے ایرانی تاثرات کے اثر میں ہیں۔ ان کو عربی اس اسلام سے اور اس کے نصب العین اور غرض وغایت سے آشنائی نہیں، ان کے لٹریری آئیڈیل بھی ایرانی ہیں۔ اور سوشل نصب العین بھی ایرانی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ۔۔۔۔۔ حقیقی اسلام کو بے نقاب کروں جس کی اشاعت رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے منہ سے

ہوئی۔"(۲۵)

ایسے حالات میں اقبال بڑے دھیمے لہجے میں اسلام کے مستقبل سے خوفزدہ ہو کر مایوسی کا اظہار کرتے ہیں۔ ایسے دور میں قدامت پسند علماء نے اپنی تمام تر توجہ اس بات پر سرف کر دی کہ قانون شریعت میں کسی قسم کی ترمیم و اضافہ کسی صورت نہ کیا جائے۔ چاہے زمانے کے حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔ علماء کی سوچ نے معاشرے میں انتشار کا بیج بو دیا ہے۔ اقبال اپنی کتاب Reconstruction of Religious Thoughts in Islam کے چھٹے خطبے The Principle of Movement in the Structure of Islam میں لکھتے ہیں:

"..... The conservative thinkers of Islam focused all their efforts on the one point of preserving a uniform social life for the people by a jealous exclusion of all innovations in the law of Sharia as expounded by the early Doctors of Islam. Their leading Idea was social order, and there is no doubt that they were partly right. Because organization does to a certain extent counteract the forces of decay. But they did not see, and our modern Ulema do not see, that the ultimate fate of a people does not depend so much on organization as on the word and power of individual men. In an over organized society the individual is all together of existence. Against the whole wealth of social thought around him and is on soul thus a false reverence for past history and its artificial resurrection constitute no remedy for a people's decay. The verdict of history, as a modern writer has happily put it, is that worn out ideas have never risen to power among a people who have worn them out the only effective power, therefore, that counter acts the forces of decay in a people in the rearing of self

consent, rated individuals. Such individuals alone reveal the depth of life. They disclose new standards in the light of which we begin to see that our environment is not wholly invioable and requires revision the tendency to over - organization by a false reverence of the past as maintested in the legists of Islam in the 13th century and later, was contray to the inner Impulse of Islam, and consequently invoked the powerful reaction of Ibne Taimiyyah, one of the most indefatigable writers and preachers of Islam......."(26)

اقبال اپنے اس خطبے میں تفصیلی طور پر بتاتے ہیں کہ اعلیٰ ذہنی صلاحیتیں رکھنے والے لوگ کامیاب ہو رہے تھے۔ لہٰذا عوام الناس نے فقہی مکاتب کے پیروکار بننے ہی میں عافیت محسوس کی۔ تیرہویں صدی کے درمیانی حصے میں مسلمانوں کی فکری زندگی کے جمود کی ایک بڑی وجہ بغداد کی ہولناک تباہی بھی ہے۔ اس وقت کے تاریخ دان مسلمان اسلامی مستقبل کو بغداد کی تباہی سے منتھی کرتے ہوئے اسلام کے مستقبل سے مایوسی کا اظہار کرتے ہیں۔ ان ساکن حالات میں بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہونے والی شخصیت ابن تیمیہؒ کی ہے۔ جو سقوطِ بغداد کے پانچ سال بعد پیدا ہوئے۔ حنبلی روایات میں تربیت اور نشوونما پانے کے بعد ابن تیمیہؒ اپنے لیے آزادانہ اجتہاد کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وہ اپنے وقت کے مکاتب فقہ کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے ہوئے اجتہاد کے لیے اسلام کی ابتدائی اصولوں کی جانب رجوع کرتے ہیں۔ اقبال ان کے اس اقدام کو سراہتے ہوئے اپنے اسی خطبے میں کہتے ہیں:

"like Ibne Hazon the founder of Zahiri School of Law... He rejected the Hanafite principles of reasoning by analogy and Ijma as understood by older ledists; for he thought agreement was the basis of all superstition and there is no doubt that, considering the moral and intellectual decrepitude off his times, he was right in doing so."(27)

ان کے نزدیک موجودہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اجتہاد کی بہت اہمیت ہے اور اجتہاد وقت کی اہم ضرورت بن چکا ہے. ان کی اکثر تحریروں میں اجتہاد پر زور ملتا ہے. اجتہاد کی ضرورت ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

> ”میرا عقیدہ یہ ہے کہ جو شخص اس وقت پرانی نقطہ نگاہ سے زمانہ حال کے جورس پروڈنس (اصول فقہ) پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکام قرآنی کی ابدیت کو ثابت کرے گا، وہی اسلام کا مجدد ہو گا اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا خادم بھی وہی شخص ہو گا۔ قریباً تمام ممالک میں اس وقت مسلمان یا تو اپنی آزادی کے لیے لڑ رہے ہیں، یا قوانین اسلامیہ پر غور و فکر کر رہے ہیں۔(سوائے ایران اور افغانستان کے) اگر ان ممالک میں بھی امروز و فردا یہ سوال پیدا ہونے والا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ زمانہ حال کے اسلامی فقہا یا تو زمانے کے ملانے طبیعت سے بالکل بے خبر ہیں یا قدامت پرستی میں مبتلا ہیں۔ ایران نے مجتہدین شیعہ کی تنگ نظری اور قدامت پرستی نے بہاؤ اللہ کو پیدا کیا جو سرے سے احکام قرآنی ہی کا منکر ہے۔ ہندوستان میں عام حنفی اس بات کے قائل ہیں کہ اجتہاد کے تمام دروازے بند ہیں۔ میں نے ایک بہت بڑے عالم کو یہ کہتے سنا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا نظیر ناممکن ہے۔“(۲۸)

اقبال حقیقی اجتہاد اور اصل تجدید کے قائل ہیں نہ کہ ایسا اجتہاد و تجدید جس کے پیش نظر انگریز کی تقلید ہو۔

اقبال کے خیال میں محکوم قوم اپنے سے برتر اقوام کی تقلید کو اجتہاد کا نام دے دیتی ہیں جو سراسر غلط ہے۔ یہ اجتہاد نہیں بلکہ انحراف کا دوسرا نام ہے۔ جو زمانہ جدید کے بجائے زمانہ قدیم میں دھکیل دیتا ہے۔ ضرب کلیم میں "اجتہاد" کے عنوان سے اسی خیال کو پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ہند میں حکمتِ دیں کوئی کہاں سے سیکھے
نہ کہیں لذّتِ کردار، نہ افکارِ عمیق
حلقۂ شوق میں وہ جُرأتِ اندیشہ کہاں
آہ محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق!
خود بدلتے نہیں، قُرآں کو بدل دیتے ہیں
ہُوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق!
ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب

کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق![۲۹]

اقبال اجتہاد پر اس لیے زور دیتے تھے کہ ماضی مسلمانوں کے لیے بہت کٹھن رہا تھا۔ غلامی کی اس دور میں مسلمان معاشرے پر اجتہاد کے تمام دروازے بند ہو چکے تھے۔ اقبال کو اجتہاد کی ضرورت اور اہمیت کا شدت سے احساس تھا۔ اقبال کہتے ہیں کہ یہی وہ وقت ہے جب مسلمانوں کے اجتہاد کی اشد ضرورت ہے کیونکہ اس سے پہلے مسلمانوں پر ایسا کڑا وقت نہیں آیا تھا۔ چنانچہ سید سلیمان ندوی کے نام ایک خطبہ تاریخ سات اپریل ۱۹۲۶ لکھتے ہیں:

> ”میرا مقصود یہ ہے کہ زمانہ حال کے جورس پروڈنس کی روشنی میں اسلامی معاملات کا مطالعہ کیا جائے مگر غلامانہ انداز میں نہیں بلکہ ناقدانہ انداز میں۔ اس سے پہلے مسلمانوں نے عقائد کے متعلق ایسا ہی کیا ہے۔ یونان کا فلسفہ ایک زمانے میں انسانی علوم کی انتہا تصور کیا گیا۔ مگر جب مسلمانوں میں تنقید کا مادہ پیدا ہوا تو انہوں نے اسی فلسفے کے ہتھیاروں سے اس کا مقابلہ کیا۔ اس عصر میں معاملات کے متعلق بھی ایسا ہی کرنا ضروری ہے۔ قاعدہ میراث کے حصص کے متعلق میں نے مضمون اجتہاد میں یہی تاریخ اختیار کیا ہے۔“[۳۰]

اقبال کے دور میں معاشرہ تنزلی کا شکار ہو چکا تھا۔ اور اجتہاد اسی وقت کارگر اور موثر ثابت ہو سکتا ہے جب معاشرے میں اخلاقی اقدار زوال پذیر ہونا شروع ہوتی ہیں۔ لہذا اجتہاد کے ذریعے مسلمانوں کے اندر ملی یکجہتی اور مقصد کی لگن پیدا کی جاتی ہے۔ اسلام کی سیدھی سادی تعلیم نے ابتدائی دور میں عربوں میں اس قدر طاقت پیدا کر دی تھی کہ دنیا کا ایک بڑا حصہ ان کے سامنے سر ٹیکنے لگا تھا۔ نیز علم و ہنر کا وسیع میدان بھی انہوں نے تسخیر کر لیا تھا۔ لہٰذا اجتہاد ہی وہ واحد ہتھیار ہے جو معاشرے کو تنزلی کی گہرائیوں سے نکال کر عروج کی بلندیوں تک پہنچا سکتا ہے۔ اپنے موجودہ حالات کو سامنے رکھتے ہوئے اجتہاد کرنا ہی وسیع النظری ہے۔ اسلام نے وسیع النظری کے اس تصور کو ہر دور میں کسی نہ کسی اہم شخصیت نے آگے بڑھایا ہے۔ سولویں صدی میں جلال الدین سیوطی اپنے لیے اجتہاد کے حق کا دعوی کرتے ہوئے یہ ثابت کرتے ہیں کہ جب بھی اسلام میں غیر خالص نظریات کی آمیزش ہوتی ہے تو کوئی نہ کوئی مجدد آگے بڑھتا ہی ہے۔ اور ان نظریات کا گلا گھونٹ دیتا ہے۔ اسی طرح محمد بن عبدالوہاب بھی عالم اسلام میں اپنا نام اور کام میں اعلیٰ پائے کے مجدد کی حیثیت سے منواتے ہیں۔

اقبال اپنے چھٹے خطبے میں ترکی کے سعید حلیم پاشا کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ جو اصلاح مذہب پارٹی کی قیادت کر رہے ہیں۔ سعید حلیم پاشاہ کی پارٹی کا موقف یہ ہے کہ اسلام آزادی، حریت، مساوات اور سلامتی و یکجہتی کا درس

دیتا ہے۔ اور ان تمام عوامل کو یکجا کر کے دیکھا جائے تو اس میں وطنیت کا تصور نہیں پنپ سکتا۔ اقبال ترکی کے وزیر اعظم کی تائید کرتے ہیں اور اجتہاد کی مکمل آزادی چاہتے ہیں۔ ان کے الفاظ میں "

"He, however, deplores that during the course of history the moral and social ideas of Islam have been gradually De-islamized through the influence of local character, and pre Islamic superstitions of Muslim Nations. These ideas today are more Iranian, Turkish or Arabian than Islamic. The pure brow of the principles of Tauhid has received more or less and impress of healthenism, and the universal and impersonal character of the ethical ideas of Islam has been loss through a process of localisation. The only alternative open to us, then is to tear off from Islam the hard crust which has immobilized and essentially dynamic Outlook on life, and to discovered the original varieties of freedom, equality and solidarity with a view to rebuild our moral, social and political ideas out of their original simplicity and universality. Such are the views of the Grand vizier of Turkey. You will see that following a line of thought more in tune with the spirit of Islam, he reaches practically the same conclusion as the Nationalist party that is to say, the freedom of Ijtehad with a view to rebuilt the laws of Shariah in the light of modern thought and experience." (31)

اس خطبے میں اقبال ہیں کہ اجتہاد کے اختیار کس کو دینا چاہیے۔ کیا اس سلسلے میں کسی امام یا خلیفہ کا تقرر ضروری ہے؟ اقبال کہتے ہیں:

"let us now see how the Grand national assembly has exercise

this power of Ijtehad in regard to the Institution of Khilafat. According to Sunni law, the pointment of an Imam or Khalifa is absolutely indispensable. The first question that arises in this connection is this.... Should the Caliphate the vested in a single person? Turkey's Ijtehad is that according to the spirit of Islam the Caliphate or Imamate can be vested in a body of person or an elected assembly. The religious Doctors of Islam in Egypt and India, as for as I know have not yet expressed themselves on this point. Personally, I believe the Turkish view is perfectly sound. It is hardly necessary to argue this point the Republican form of government is not only thoroughly consistant with the spirit of Islam, but has also became a necessity in view of the new forces that are set free in the world of Islam."(32)

اقبال اپنے اس خطبے میں اس بات پر زور دیتے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے مذہب کا جائزہ سطحی طور پر نہیں لینا چاہیے بلکہ بنظر غور اسلام کا مطالعہ کرنا چاہیے۔اور موجودہ حالات کو سامنے رکھتے ہوئے قران پاک کی نئ تفسیر پیش کی جانی چاہیے۔تاکہ اس کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ محض سنی سنائی باتوں اور من گھڑت قصوں پر دھیان دینے کی بجائے خود آگے بڑھتے ہوئے ہر فرد کو اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔اور تحقیق و تنقید کا رویہ اپنانا چاہیے۔

قرآن حکیم جو سرچشمہ ہدایت ہے، اسلامی قانون کا سب سے بڑا اور بنیادی ماخذ ہے۔ قرآن میں زندگی گزارنے کی بنیادی اصول اور قوانین کی وضاحت کی گئی ہے۔اسلام کا دائرہ کار وضع کیا گیا ہے۔اور یہ بات طے شدہ ہے کہ قرآن ارتقا کے خلاف نہیں۔ جدت پسندی کے خلاف نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلے میں علماء نے قرآن کو اس نظر سے دیکھا ہی نہیں اور نہ ہی اس کو سمجھنے کی کبھی کوشش کی ہے۔اقبال اس سلسلے میں کہتے ہیں:

"...... Responsibility of the reformer assumes a far more serious aspect. Islam is non- territorial and its character, and it

is to furnish a model for the final combination of humanity by drawing its adherents from a variety of mutually repellent races, and the transforming this atomic aggregate into a people possessing a self-consciousness of their own. This was not an easy task to accomplish. Yet Islam by means of it well conceived institutions, has succeeded to a very great extent and creating something like a collective will and conscience and this heterogeneous mass. In the evolution of such a society even the immutability of socially harmless rules relating to eating and drinking, purity or impurity, has a life value of its own, in as much as it tends to give such society a specific inwardness and further secures that external and internal uniformity which counteracts the forces of heterogeneity always latent in a society of a composite character. The critic of these institutions must, therefore, try to secure before they undertake to handle them, a clear inside into the ultimate significance of the social experiment embedded in Islam. He must look at their structure not from the stand point of social advantage or disadvantage to this or that country, but from the point of view of the larger purpose which is being gradually worked out in the life of mankind as a whole."(33)

آگے چل کر اقبال اس بات کا اعتراف بھی کرتے ہیں کہ اسلام کی آدھی سے زیادہ فتوحات انہی فقہا کی قانونی ذہانت کا نتیجہ تھیں اور اپنی تمام تر جامعیت کے باوجود یہ فقہی نظام انفرادی ترات پر مشتمل ہے۔ لہٰذا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ حتمی اور قطعی ہیں۔(۳۴)

اقبال ان علمائے اسلام کو ہدف تنقید بناتے ہیں جو فقہ اسلامی کو قطعی اور حتمی مانتے ہیں۔ لیکن موجودہ دور اور موجودہ حالات کچھ اور چاہتے ہیں۔ آج عالم اسلام کو نئے مسائل اور نئے خطرات درپیش ہیں۔ یہ مسائل غیر معمولی ارتقا کے متقاضی ہیں۔، لہٰذا آج وقت کا یہ تقاضا کہ اسلام کے بنیادی اصولوں کی از سر نو تعبیر ہونی چاہیے، بالکل مبنی بر انصاف ہوگا۔ اقبال لکھتے ہیں:

> "The claim of the present generation of Muslim liberals to be interpret the foundational legal principles, in the light of there own experience and the altered conditions of modern life, is, in my opinion, perfectly justified the teaching of the Quran, that life is a process of progressive creation necessitates that each generation, guided but unhampered, by the work of its predecessor, should be permitted to solve its own problem."(35)

لہٰذا اقبال یہ بات ثابت کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں کہ نہ ہی ہمارے نظام کے بنیادی اصولوں میں کوئی کمی ہے اور نہ ہی اس کا ڈھانچہ ایسا ہے کہ اسلام ہمارے موجودہ رویے کا متحمل ہو سکے۔ نئی فکر اور نئی تعبیرات کے ذریعے دنیائے اسلام کی کایا پلٹی جا سکتی ہے۔ اقبال مستقبل سے بہت پر امید ہیں۔ اور تشکیل جدید کے اس کام کو نہایت سنجیدہ اور اہم ترین کام سمجھتے ہیں۔ جس کے ذریعے آج کا انسان تیزی سے جدید فکر کی بلندیوں کو چھوتے ہوئے اسلام کے عالمگیر تصور تک رہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔ لہٰذا آج کے مسلمان کے اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ عملی طور پر مسلمان ہو۔ اس خطبے کے آخر میں اقبال واضح طور پر لکھتے ہیں کہ اب کسی نئی وحی کی ضرورت نہیں بلکہ جدید فکر وحی کو سمجھنے کے لیے درکار ہے۔ جس کی بدولت ایک فرد اپنی خارجیت کو داخلیت میں بدل سکتا ہے۔ لکھتے ہیں:

> "...... In view of the basic idea of Islam that there can be no

further Revelation binding on man we ought to be spiritually one of the most emancipated peoples on earth. Early Muslims emerging out of the Spiritual slavery of pre- Islamic Asia not in opposition to realize the true significance of this basic idea. Let the Muslim of today appreciate his position, reconstruct his social life in the light of ultimate principles, and evolve, out of the hitherto partially revealed purpose of Islam, that spiritually democracy which is the ultimate aim of Islam."(36)

الغرض یہ کہ اقبال مسلمانوں کو فتح اور کامرانی سے ہم کنار ہوتا دیکھنا چاہتے تھے، لیکن انہیں اس بات کا بہت دکھ تھا کہ ہمارے علماء ہی مسلمانوں کی کامیابی کی راہ میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔ اسلام تو لبرل مذہب ہے۔ لیکن اسلام کی اس لبرلزم سے عام مسلمانوں کو اشنا کرنا علماء و صلحا کا کام ہے۔ اب یہ ان کا کام ہے کہ علماء آگے بڑھیں اور اسلام کے لبرل مذہب کے طور پر، جیسا کہ وہ ہے، پیش کریں۔ اقبال کو اس بات کا پختہ یقین تھا کہ مسلمان دوبارہ عروج حاصل کر کے ہی رہیں گے۔ اگر وہ قرآن کا مطالعہ عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق کریں تو۔ یہ وقت کا تقاضہ ہے کہ اسلام کے صحیح معنی کی تجدید کی جائے اور قران کی تشریح و تفسیر کے ذریعے دور حاضر کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی مسائل کا حل پیش کیا جائے۔ لہٰذا اقبال کہتے ہیں کہ تمدنی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اجتہاد کے ذریعے قانون اسلامی کی جدید تفسیر ضروری ہے۔ اقبال کی استدلال سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کی رائے میں تیزی سے بدلتے ہوئے حالات میں اگر مسلمان نیا علم الکلام تخلیق کرنے اور قانون اسلامی کی نئی تفسیر مرتب کرنے کے قابل نہ ہوئے تو اسلام دیگر مذاہب کی طرح ایک مذہب تو شاید رہے لیکن مسلمان کا زندہ رہنا نہایت مشکل ہو جائے گا۔

حوالہ جات

۱۔ تصورات اقبال، سید اسعد گیلانی، لاہور: فیروز سنز، ۱۹۹۱ء، ص ۸۶

۲۔ اقبال کا نظریہ اخلاق، سعید احمد رفیق، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، نومبر ۱۹۶۰ء، ص ۹

۳۔ کلیات اقبال فارسی، جلد اول سلیس اردو ترجمہ از میاں عبد الرشید، لاہور: شیخ غلام علی سنز، ۱۹۹۲ء، ص ۲۳۳، ۲۳۲

۴۔ اقبال کا نظریہ اخلاق، سعید احمد رفیق، ص ۱۵

۵۔ کلیات اقبال اردو، لاہور: شیخ غلام علی سن، طبع سوم، جون ۱۹۶۶ء، ص ۶۵

۶۔ مورخہ ۹ مارچ ۱۹۲۸ بحوالہ تصوراتِ اقبال سید اسعد گیلانی، ص ۹۱، ۹۲

۷۔ ایضاً، ص ۹۲

۸۔ شائع شدہ مضمون مسلم تہذیب ۱۹۱۱ بحوالہ تصوراتِ اقبال سید اسعد گیلانی، ص ۹۳

۹۔ اقبال فکر اسلامی کی تشکیل جدید، مرتب ڈاکٹر سید حسین محمد جعفری، مضمون اقبال اور عصر جدید میں اسلامی ریاست کا تصور از جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال، کراچی: پاکستان سٹڈی سینٹر، دسمبر ۱۹۸۸ ص ۷۳، ۷۴

۱۰۔ ایضاً ص ۷۵

۱۱۔ ایضاً ص ۷۶

۱۲۔ ایضاً ص ۷۸، ۷۷، ۷۶

۱۳۔ کلیات اقبال اردو ص ۶۷۰

۱۴۔ کلیات اقبال فارسی اردو ترجمہ میاں عبد الرشید ص ۱۷۷

۱۵۔ کلیات مکاتیب اقبال مرتبہ سید مظفر حسین برنی، جلد چہارم دہلی: اردو اکادمی ۱۹۹۸ء، ص ۵۱۳، ۵۱۵

۱۶۔ ایضاً بتاریخ پانچ دسمبر ۱۹۲۸ جلد دوم ص ۷۶

۱۷۔ کلیات اقبال اردو ص ۶۵۸

۱۸۔ ایضاً ص ۵۲

۱۹۔ کلیات اقبال فارسی اردو ترجمہ میں عبد الرشید جلد ص ۳۲۲

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ کلیات اقبال اردو ص ۳۱۲

۲۲۔ ایضاً ص ۳۲۵

۲۳۔ ایضاً ص ۴۴۸

۲۴۔ ایضاً ص ۴۸۴

۲۵۔ کلیات مکاتیب اقبال مرتبہ سید مظفر حسین برنی جلد اول ص ۴۱۵ بتاریخ ۱۴ اکتوبر ۱۹۱۵ء

26. The Reconstruction of Religious Thought in Islam by Allama Muhammad Iqbal, edited and annotated by M Saeeed Sheikh .Lahore : Iqbal Academy Pakistan Institute of Islamic culture, Second Edition April 1989 . P -120

27. as above P 120-121

۲۸۔ اقبال کا نظریہ اخلاق، سعید احمد رفیق، لاہور ص ۷۷

۲۹۔ کلیات اقبال اردو، ضرب کلیم، ص ۴۸۴

۳۰۔ کلیات مکاتیب اقبال مرتبہ سید مظفر حسین برنی جلد دوم ص ۶۳۲

31. The Reconstruction of Religious Thought in Islam by Allama Muhammad Iqbal, P 124

32. as above , P . 124 ,125

33. as above P - 129

34. as above P - 128

35. as above P - 129

36. as above P - 129 , 130